اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی کا پنجاب: سلسلہ چشتیہ کی تجدید وارتقاء اور لنگر کی روایت

سید جمیل احمد رضوی*

[ڈاکٹر ساجدہ سلطانہ علوی، میکگل یونیورسٹی مانٹریال، کینیڈا میں پروفیسر انڈو اسلامک ہسٹری (Indo Islamic History) کی حیثیت سے کام کرتی تھیں، انھوں نے ۲۰۰۴ء میں ''پنجاب میں اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی میں سلسلۂ چشتیہ کے ارتقاء'' کے تحقیقی منصوبے پر کام شروع کیا۔ چند سال پہلے ڈاکٹر صاحبہ یونیورسٹی سے سبکدوش ہو چکی ہیں۔ اب ان کی حیثیت اس یونیورسٹی میں پروفیسر امریطس کی ہے۔ راقم السطور نے ستمبر ۲۰۰۴ء سے دسمبر ۲۰۱۳ء تک ان کے ساتھ معاون کی حیثیت سے کام کیا۔ بعد میں بھی ان سے علمی رابطہ رہا ہے۔ میں نے قریباً ایک عشرے کے دوران کئی ہزار صفحات پر مشتمل ڈاکٹر صاحبہ کو رپورٹس (Reports) بھیجیں۔ یہ سارے کام ڈاکٹر صاحبہ کی راہنمائی میں ہوا۔ ڈاکٹر صاحبہ کے دو مقالات/ مضامین انگریزی زبان میں شائع ہوئے۔ ایک برلن (جرمنی) میں اور دوسرا اٹلی میں۔ زیرِ حوالہ مضمون کے نوٹس (Notes) بھی انہی رپورٹس میں شامل ہیں، اب میں نے ڈاکٹر صاحبہ کے مشورہ سے ان کو مقالے کی شکل دی ہے۔ سید جمیل رضوی]

مذکورہ بالا تحقیقی منصوبے میں مولانا فخر الدین دہلوی (م:۱۱۹۹ھ/ ۱۷۸۵ء) ان کے بڑے خلیفہ حضرت نور محمد مہارویؒ (م: ۱۲۰۵ھ/ ۱۷۹۰ء) اور ان کے چار خلفاء سے حضرت نور محمد نارووالہؒ (۱۱۳۳ھ۔۱۲۰۳ء / ۱۷۲۱ء۔۱۷۸۹ء)، حافظ محمد جمال ملتانیؒ (م:۱۱۲۶ھ/۱۸۱۱ء)، قاضی محمود عاقلؒ (م:۱۰۰۹ھ/ ۱۸۱۴ء)، اور خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ (۱۱۸۳ھ۔۱۲۶۶ء/ ۱۷۷۰ء۔۱۸۵۰) کے سوانحی حالات، آثار اور دیگر علمی و روحانی خدمات کا مفصل تذکرہ شامل ہے۔ یہ جدید اصولِ تحقیق کے تحت کیا گیا ہے۔ ان ہزاروں صفحات پر مشتمل رپورٹس کو حتمی صورت دینے کا کام ابھی باقی ہے۔ میرے پاس ان صفحات کی عکسی نقول محفوظ ہیں۔ ڈاکٹر صاحبہ نے اجازت دی ہے کہ جس حد تک ان کو موضوع کے اعتبار سے آخری شکل دی جا سکے، دے دی جائے۔ اس مقالے میں حضرت نور محمد نارووالہؒ کے علاوہ باقی صوفیا کے لنگر کی روایت کو بیان کیا گیا ہے کوشش کی گئی ہے کہ زیادہ سے زیادہ بنیادی مآخذ (Primry Sources) سے استفادہ کیا

* سابق چیف لائبریری، پنجاب یونی ورسٹی لائبریری، لاہور، پاکستان

جائے اور ان ہی کے حوالے دیے جائیں۔ خواجہ نور محمد مہارویؒ اپنے شیخ مولانا فخر الدین دہلویؒ سے علمی اور روحانی اقدار پنجاب میں لے کر، یہاں پر انھوں نے خانقاہ قائم کی اور اس شمع کو روشن کیا جو وہ دہلی سے لے کر آئے تھے، اس طرح پنجاب میں اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی میں سلسلۂ چشتیہ کی تجدید اور ارتقاء کا عمل شروع ہو گیا۔

خانقاہی نظام میں لنگر ایک اہم اور معروف ادارہ ہے جس میں فلاح معاشرہ کا انتہائی مضبوط و مستحکم نظام موجود ہے۔ اس میں طلبہ، زائرین اور دیگر ملاقات کرنے والے استفادہ کرتے ہیں۔ عہد حاضر میں تعلیمی اداروں کے ہاسٹل (Hostel) میں Mess (طعام/ طعام گاہ) کا جو تصور ہے یہی لنگر کے نظام کا ہے، لیکن یہ مفت ہے۔ اس میں استفادہ کرنے والوں کو کچھ اور نہیں کرنا پڑتا یہ امر قابل ذکر ہے کہ لنگر کے نظام نے ارتقاء کی منازل طے کیں تو اس میں بہت وسعت پیدا ہوئی اور اس کے وظائف مختلف النوع ہو گئے۔ جیسے مریضوں کے لیے دوا کا انتظام، طلبہ اور اساتذہ کے لیے لباس کی فراہمی وغیرہ۔ ریاض الاسلام لنگر کے بارے میں لکھتے ہیں:

> لنگر (مفت طعام) صوفیاء کے ہاں سماجی خدمت کا ایک اہم ادارہ ہے۔ لنگر کا یہ تصور متحدہ ہندوستان اور خراسان کے ساتھ مخصوص تھا، خراسان ایران کا وہ حصہ ہے جو ہندوستان کے قریب ترین علاقوں میں سے ہے۔ ہندوستان میں چشتی حضرات (شیوخ) لنگر کو بالخصوص بہت اہمیت دیتے تھے۔ بہت سا غلہ فتوح کے طور پر آتا تھا، اس کا ایک حصہ لنگر کے لیے رکھ لیا جاتا تھا۔ سادہ غذا بہت مقدار میں تیار کی جاتی تھی اور دن میں دو بار تقسیم کی جاتی تھی۔ کوئی شخص بھی اپنے لیے غذا حاصل کر سکتا تھا، شیخ نظام الدین ان کے ایک مرید لکھتے ہیں کہ شیخ لنگر کے اوقات میں خاص خیال رکھتے تھے کہ اس کی غذا درست طریقے سے تقسیم کی جاتی ہے[۱]۔

مولانا فخر الدین دہلوی حافظ محمد جمال ملتانیؒ نے خواجہ فخر دہلویؒ کے لنگر کے بارے میں بیان کیا، اس کو سید محمد زاہد شاہ صاحب اسرار الکمالیہ نے لکھا ہے: حضرت قبلہ حافظ محمد جمال قدس سرہٗ نے بیان فرمایا کہ جب حضرت محبوب الاحد خواجہ نور محمدؒ حضرت محبوب الٰہی جو کہ ان کے شیخ تھے، دہلی میں ان کی زیارت کے لیے گئے۔ انھوں نے وہاں دیکھا کہ فقراء اور درویش میں سے جو بھی وہاں موجود تھے ان کے کھانے کا وظیفہ وہاں مقرر تھا اور مقدار تقریباً نصف پاؤ سے ایک چھٹانک تک کی روٹی مذکورہ افراد کو استعداد کے مطابق دیتے تھے، چوں کہ حضرت قبلہؒ بھی وہاں گئے ہوئے تھے (اس لیے) حضرت محب النبیؒ نے خادم طباخ یعنی لانگری کو حکم دے دیا تھا کہ میاں صاحب محبوب الاحد قدس سرہ کے یار دوست مہمان ہیں، انھیں پیٹ بھر کر کھانا کھلائیں، یعنی آدھ سیر روٹی ایک وقت میں، آٹھ پہر کے اندر ہر ایک کو دے دیں، چوں کہ وہ لوگ بسیار خور تھے، سیر نہیں ہوتے تھے۔ مگر کسی کے دعوت کے وقت کیوں کہ کچھ لوگ حضرت محبوب الاحد کے پیر بھائیوں میں سے تھے اور وہ لوگ اکثر پیر بھائیوں کی دعوت کیا کرتے تھے چناں چہ ان پیر بھائیوں میں سے ایک سید تھے اور مجذوب تھے۔ وہ ایک دن حضرت محبوب النبیؒ کے کے پاس آئے اور عرض کیا کہ حضرت محبوب الاحد کی آج میں دعوت کرنا

چاہتا ہوں۔ وہ درحقیقت نہایت مفلس تھے اور حضرت کے لنگر سے ہی کھانا کھاتے تھے۔ حضرت نے تبسم فرمایا اور پوچھا کہ ضیافت کا سامان کہاں سے لاؤ گے؟ عرض کی کہ حضور ہی مرحمت فرمائیں گے۔ حضرت نے فرمایا، خوب اور بہتر ہوگا۔ آپ نے لانگری کو حکم دیا کہ شاہ جی میاں صاحب کی دعوت کرنا چاہتے ہیں کیا کچھ گوشت ہوگا اور اسی قدر کھانا۔ حضرت کے فرمان کے مطابق اسی وقت لانگری نے کھانا وغیرہ تیار کیا، دوستوں نے کھانا کھایا۔ سبحان اللہ! حضرت محب النبیؐ کیا حسنِ خلق رکھتے تھے ۲۔

نافع السائلین میں لنگر کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے، اس میں شیخ نظام الدین اورنگ آبادیؒ سے لے کر مولانا فخر الدین دہلویؒ حضرت نور محمد سہارویؒ اور حضرت محمد سلیمان تونسویؒ کے نظامِ لنگر کا مختصر ذکر کیا گیا ہے۔ خواجہ تونسویؒ کے لنگر کی وسعت کی تفصیل اپنے مقام پر دی جائے گی۔ یہاں پر نافع السائلین کا اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

> سنا ہے کہ حضرت شیخ نظام الدین اورنگ آبادی قدس سرہٗ کے وقت درویشوں کو مٹھی بھر کچھ دانے دیے جاتے تھے اور فخر الاولین والآخرین شیخ محمد فخر الدین والدین جہاں آبادی قدس سرہٗ کے زمانہ میں رات دن میں پاؤ بھر کی ایک روٹی بازار سے لا کر دی جاتی تھی اور وہ بھی کبھی میسر نہ ہوتی تھی، راہِ حق کے مالکوں نے فقر و فاقہ پر صبر کر کے اپنے کام میں کبھی فرق نہیں آنے دیا۔ حتیٰ کہ بہت سے درویش آپ کے وصال کے بعد بھی اس جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہ ہوئے بلکہ آپ کے آستانہ مبارک پر ہی فوت ہوئے اور حضرت قبلہ عالم (خواجہ نور محمد مہاروی قدس سرہٗ) کے زمانے میں درویشوں کو دونوں وقت روٹی دی جاتی تھی اور اگر کسی کو کچھ بیماری ہوتی تو اس کے دوا دارو کی طرف کچھ زیادہ توجہ نہیں کی جاتی تھی اور اس زمانے میں اس فقیر (خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ) نے درویشوں کے لیے دو وقت کی روٹی کے علاوہ کپڑے، گھی اور ادویات علیحدہ مقرر کی ہیں تا کہ ہر شخص جمعیت خاطر کے ساتھ حق تعالیٰ کی یاد کر سکے'' ۳۔

حضرت نور محمد مہارویؒ (قبلۂ عالمؒ):

قبلۂ عالمؒ کے ہاں بھی لنگر کا باقاعدہ نظام موجود تھا۔ ان کے ملفوظات میں بھی اس کی ترغیب ملتی ہے۔ اپنے زیرِ تربیت خلفاء کو اس کی تربیت بھی دیتے تھے۔ خلاصۃ الفوائد اور مناقب المحبوبین میں حضرت مہارویؒ کے ایسے مختصر کلمات ملتے ہیں جو لنگر کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں، ذیل میں چند درج کیے جاتے ہیں:

فرمایا: اگر کوئی شخص مخلوق کو خوش کرے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تو نے مجھے خوش کیا اور یہ سب جانتے ہیں اور اس کے قائل ہیں ۳۔ اگر اس ملفوظ کی روشنی میں لنگر کے ادارے کو دیکھا جائے تو اس کی اہمیت بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ اس سے فلاح و بہبود معاشرہ Communiety Welfare کا تصور اور اس کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔

فرمایا: کہ سخاوت وہ قابل قدر ہے جو تنگ دستی میں کی جائے اور معافی وہ قابل در ہے جو قدرت رکھنے کے باوجود کی

جائے۔ یہ دونوں باتیں بہت خوب ہیں ۵۔ لنگر اور سخاوت چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ایصال ثواب کے حوالے فرمایا:

آپ نے فرمایا کہ مُردوں کی روحیں خواہ نیک ہوں یا بد، اپنے گھر ضرور آتی ہیں۔ واقعی مُردوں کی ارواح سے کلام کرنا ایک اچھی بات ہے، لیکن اس سلسلے میں کچھ خرچہ وغیرہ بھی کرنا پڑتا ہے اور روٹی بھی پکانی پڑتی ہے، کیوں کہ روٹی پکانے پر وہ ذرا جلدی آتی ہیں اور اچھی طرح گھل مل جاتی ہیں ٦۔

قبلہ عالم کے بارے میں جن بنیادی مآخر کا مطالبہ کیا گیا ان میں بہت سے ایسے واقعات ملتے ہیں جو لنگر کی ضرورت اور افادیت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ذیل کا واقعہ بھی اس ضمن کے حوالے سے ہے۔

ایک دفعہ فرمایا کہ میاں عیسیٰ جعفر اور غلام حیدر ہمارے (خواجہ تونسویؒ) ساتھ تھے۔ ایک رات ہم نے سیتا پور میں گزاری۔ صرف ایک پیسہ ہمارے پاس تھا، اس سے ہم نے کچے چنے خریدے اور کھا لیے۔ صبح سویرے وہاں سے چلے اور صالح پور میں جو کہ احمد پور کے ساتھ ہے، حضرت قبلہ عالمؒ کی قدم بوسی نصیب ہوئی۔ قبلہ عالم قدس سرہٗ نے پوچھا کہ کل تم نے کیا کھایا؟ عرض کیا کہ غریب نواز نخود خام۔ تبسم کر کے فرمایا کہ نخود خام بھی کوئی خوراک ہے۔ اس کے بعد وہاں مشتاق کو فرمایا کہ یہ سنگھڑ کے علماء ہیں اور بھوکے ہیں، ان کو کوئی چیز دو۔ میاں غلام حیدر گیا اور کھانے کی کوئی چیز لے آیا جس کو ہم نے تناول کیا ۷۔

خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ نے قبلہ عالمؒ کے لنگر کی وسعت درج ذیل الفاظ میں بیان کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ اپنی تربیت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ یہ بات بھی اپنی جگہ پر واضح تھی کہ حضرت قبلہ عالمؒ کے لنگر شریف کی کوئی کمی نہیں تھی۔ گوشت، پلاؤ، حلوہ، لسی اور مکھن کافی مقدار میں خرچ کرتے تھے، یوں لگتا تھا گویا تمام عالم آپؒ کے لنگر شریف سے چلتا تھا۔ مگر دوسروں کے لیے سب کچھ تھا اور میرے لیے لنگر شریف خرچ کرنے کی گویا کوئی صورت نہ تھی ۸۔

قبلہ عالمؒ نے خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کی لنگر کی تقسیم میں تربیت بھی کی۔ انتخاب مناقب سلیمانیہ میں ایک واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کا متعلقہ اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

> پس زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ مجھے یاد فرمایا، حاضر ہوا، فرمایا بیٹھ جاؤ، میں بیٹھ گیا۔ پس ایک تھال میں کہ جس میں دو روٹیاں پراٹھا جن پر شکر پڑی ہوئی تھی ایک درویش سے طلب فرمائے اور میرے آگے رکھ دیے۔ حکم ہوا کہ کھاؤ، میں نے شرم کی وجہ سے ہاتھ تک نہ بڑھایا، پھر ارشاد فرمایا: میرے ساتھ کھاؤ۔ اس فرمان پر بھی میں دیکھتا رہا، یہاں تک کہ آپ نے اپنے دستِ مبارک سے اس روٹی سے دو لقمے توڑے، ایک میرے ہاتھ میں دیا فرمایا: میاں کھاؤ اور ایک لقمہ خود تناول فرمایا۔ مجبوراً میں نے کھانا شروع کیا۔ چند بار میری طرف توجہ فرماتے رہتے، آخر میں نے اپنے ہاتھ سے کھانا شروع کیا۔ تقریباً دو حصہ روٹی مل کر کھایا اور باقی حصہ میں نے اکیلے کھایا۔ جب ایک روٹی باقی رہ گئی تو وہ بمعہ (مع) تھالی میرے ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ یہ روٹی بیٹھے

ہوئے درویشوں میں تقسیم کردو۔حسبِ ارشاد میں نے عمل کیا۔ فارغ ہوکر میں نے سلام کیا، میری طرف نظر فرما کر فرمایا کہ آئندہ خبردار رہو۔ پس صاحبزادہ صاحب نے یہ واقعہ سننے کے بعد فرمایا: حضرت! اس روٹی کا تقسیم کرنا اور کھلانا درحقیقت یہی ثمرہ دیا کہ یہ حضرت ان کے لنگر کی تقسیم کرنے والے ہیں۔ اس موقع پر حضرت فخر الاولیاء قدس سرہٗ یہ لفظ زبان مبارک پر لائے، جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ تمام کا تمام حضرت قبلہ عالمؒ کی عنایت سے ہے۹۔

قبلہ عالمؒ کے لنگر کا سلسلہ حالت سفر میں بھی جاری رہتا تھا، ایسے بہت سے واقعات بنیادی مصادر میں ملتے ہیں جن سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کا یہ پہلو بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت قبلہ عالمؒ کے ساتھ سفر کرنے والے لنگر سے استفادہ کرتے تھے، بلکہ اگر راستے میں کچھ اور لوگ ہم سفر ہو جاتے تو ان کو بھی لنگر سے کھانا پیش کیا جاتا تھا۔ گویا لنگر کا انتظام سفر اور حضر دونوں میں جاری رہتا تھا۔ ذیل میں اس حوالے سے دو واقعات درج کیے جاتے ہیں۔ رسالہ اسرار الکمالیہ میں حافظ محمد جمال ملتانیؒ کی روایت ہے۔ قبلہ عالمؒ کے سفر دہلی اور واپسی پر انھوں نے اجمیر شریف حاضری دینے کا ذکر ہے۔ حافظ محمد جمال ملتانی نے اس طرح بیان کیا:

میرے شیخ کریم حضور قبلہ حافظ صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اجمیر شریف پہنچتے وقت میرے پاس حضرت قبلہؒ کے لنگر کے پانچ سو روپے نقد اور کچھ ساز و سامان اور کپڑے وغیرہ بھی تھے، سو حضرت قبلہ نے وہ سب کچھ حضرت خواجہ بزرگ (خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ) کے خدام و خلفاء میں تقسیم فرما دیے۔ ادھر سے آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لایا کہ میں ان کی محافظت کی قید سے چھٹکارہ حاصل کر چکا ہوں۔ حضرت صاحب قبلہ اجمیر شریف سے رخصت ہوگئے تو خواجہ بزرگ کے آستانہ معلیٰ پر موجود تمام خدام و فقراء و خلفاء جو حضرت صاحب قبلہ کے دامن گرفتگان و وابستگان میں سے تھے، وہ لوگ کافی فاصلہ طے کر کے بیرون شہر آ کر حضرت صاحب قبلہ کو رخصت کیا اور بہت سا نذرانہ بھی پیش کیا۔ یوں پہلے سے بھی زیادہ سامان نقدی اور پارچہ جات وغیرہ حضرت کے پاس جمع ہوگیا۔ میرے مرشد کریم فرماتے تھے کہ پھر ان کی محافظت و نگرانی میرے سپرد کر دی گئی ۱۰۔

رسالہ اسرار الکمالیہ میں حافظ محمد جمال ملتانی کی زبانی ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ قبلہ عالمؒ اور ان کے ساتھی پاک پتن شریف جا رہے تھے، راستے میں ایک خراسانی شیخ سے ملاقات ہوگئی۔ اس رفیق سفر اور اس کے ساتھیوں کو کھانا پیش کیا۔ انھوں نے کھانا لینے سے انکار کر دیا اور اس کی وجہ بھی بیان کی۔ اس واقعہ کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

مرشد کریم حضرت حافظ محمد جمال قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں اپنے شیخ کریم حضرت قبلہ عالم قدس سرہٗ کے ہمراہ پاک پتن شریف جا رہا تھا، ایک مقام پر پڑاؤ کرنے کا اتفاق ہوا۔ حضرت کے رفقاء و ہمراہی کم و بیش پانچ سو کے لگ بھگ تھے، اتفاق سے ایک نیک بخت شیخ جو مشائخ خراسان میں سے تھے وہ بھی چالیس افراد کے ساتھ حضرت کے رفیق سفر بنے۔ ایک ہی جگہ رات

گزارنے کا اتفاق ہوا، وہاں کے مکینوں نے حضرت کے لیے ضیافت کا اہتمام کیا، جب کھانا لایا گیا تو حضرت قبلہؒ نے اپنے خادم و لانگری کو حکم دیا کہ سب سے پہلے کھانا ان خراسانی ہم سفروں کو پہنچائیں، کیوں کہ وہ مہمان ہیں۔ خادم حضرت قبلہؒ کا حکم بجالایا۔ جب کھانا ان کے پاس لے گئے تو انھوں نے کہا کہ میں اس ملک کا کھانا نہیں کھاتا، کیوں کہ یہاں کے لوگ ڈاکے مارتے ہیں، یعنی چوری کا مال کھاتے اور کھلاتے ہیں، میں اپنی گرہ سے کھانا کھاؤں گا۔ خادم واپس آ گیا اور تمام صورت حال سے حضرت قبلہؒ سے عرض کی، تو حضرت نے فرمایا: ''اچھا'' صبح جب اس علاقہ سے آگے کو روانہ ہوئے تو حضرت قبلہؒ سے علیحدہ راہ پر چل پڑے۔

اتفاق سے آگے جا کر کہیں چوروں نے گھیر لیا، سب کچھ ان سے لے لیا اور ان کو بُری طرح لوٹ لیا۔ جب کہ حضرت قبلہؒ کے ہم راہی بخیریت پہلے ہی آگے چلے گئے۔ پھر اتفاق سے رات کو ایک ہی جگہ پر اکٹھے ہوئے۔ حضرت قبلہؒ نے لانگری کو حکم فرمایا کہ پہلے انھیں کھانا دے دو۔ خادم نے ایسا ہی کیا، انھوں نے جلدی جلدی کھانا لانگری سے لے لیا اور کھایا۔ حضرت صاحب قبلہؒ کو جب اس بات کی اطلاع ہوگئی تو فرمایا: سبحان اللہ! کل رات تو یہ کھانا حرام تھا اور آج صبح حلال ہو گیا۔

''پھر آپ نے فرمایا: جو بھی کھانے کے بارے میں تفتیش و تجسس کرتا ہے اور میزبان سے پوچھتا ہے کہ کھانا کہاں سے لائے ہو؟ کیسے لائے ہو؟ اور کس سے لائے ہو؟ حرام ہے یا حلال ہے؟ ایسا کرنا واجب کا ترک کرنا ہے۔ اس لیے جب تک ظاہر طور پر کھانے کی حرمت ثابت نہیں ہوگی، شرعی طور پر اس کا کھانا جائز ہے۔ ہاں، حرمت کے معلوم ہونے پر حرام ہے''[۱۱]۔

قبلہ عالمؒ اپنے خلفاء کے ساتھ شفقت سے پیش آتے تھے اور لنگر کے حوالے سے ان کا خاص خیال رکھتے تھے۔ مخزن چشت میں حافظ محمد جمال ملتانیؒ کے متعلق یہ واقعہ لکھا ہوا ہے:

کہتے ہیں کہ ایک بار بہت سے لوگ زیارت کے لیے اکٹھے آئے۔ حضرت قبلہ عالمؒ نے غلام رسول لانگری سے پوچھا کہ کیا ان سب نے کھانا کھا لیا ہے؟ لانگری نے عرض کیا سب نے کھا لیا ہے مگر حافظ محمد جمالؒ نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔ حضرت قبلہ عالمؒ نے فرمایا: ''عجیب بات ہے کہ جو شخص پورے فقر کا بوجھ اٹھانے کے لیے آیا ہے تم نے اسے ابھی تک کھانا ہی نہیں پہنچایا[۱۲]۔

قبلہ عالم کے لنگر کے حوالے سے یہ سوال اٹھتا ہے کہ ان کے لنگر خانے کے اخراجات کس طرح پورے ہوتے تھے، بظاہر فتوحات کا سلسلہ مستقل ذریعہ آمدنی معلوم نہیں ہوتا۔ صوفیا کی خانقاہوں اور ان کے قائم کردہ مدارس کو چلانے کے لیے ارباب اقتدار کی دی گئی جاگیریں (معافی) بہت ذریعۂ آمدنی تھیں۔ قبلہ عالمؒ کے مریدوں میں نواب محمد بہاول خان ثانی (م: ۱۸۰۹ء) فرماں روائے برائے چہارم مملکت خداداد بہاولپور بھی شامل تھا۔ نافع السالکین میں یہ حوالہ ملتا ہے کہ اس نے قبلہ عالمؒ کو دی گئی جاگیر ضبط کر لی تھی جو (قبلہ عالمؒ کے وصال کے بعد) خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کی کوشش سے واگزار کر دی گئی۔ اس جاگیر کی آمدنی سے خانقاہ کا انتظام اور درویشوں کے اخراجات پورے ہونے کا نتیجہ نکالا جاسکتا

ہے۔اس کی تفصیل بعد میں دی جائے گی۔

یہاں پر یہ امر قابل ذکر ہے کہ قبلہ عالمؒ کے لنگر خانہ میں قاضی محمد عاقلؒ کی خدمات کا ذکر ملتا ہے۔اس کا بیان مناقب فریدی میں موجود ہے۔متعلقہ اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

> مشہور ہے ہمیشہ حضرت (قاضی محمد عاقلؒ) کل اپنی فتوحات کو قبلہ عالمؒ کی نذر کر دیا کرتے تھے، بلکہ جب مہاراں شریف میں حاضر ہوتے تو پہلے قبلہ عالمؒ کے مودی کا حساب چکا کر بعد میں حضرت پیر و مرشد کی قدم بوسی سے مشرف ہوتے اور بعد انتقال قبلہ عالمؒ کے تاحیات صاحب زادگان کی خدمت گزاری کرتے رہے۔ ہر فصل پر اس قدر غلہ کہ جو چھ ماہ کے خرچ کو کافی ہو کشتیوں پر بار کرا کر خود لے جایا کرتے تھے۔ایک بار من جانب صاحب زادہ نور الصمد صاحب، نواب صاحب والی ریاست بہاولپور نواب بہاول خان بہادر کو یہ شک پیدا ہوا کہ صاحب زادہ صاحب زادہ صاحب ارادہ تسخیر ملک کا رکھتے ہیں،اس پر ناخوش ہو کر معافی (جاگیر) ضبط کی، جو سالانہ پیشکش ہوتا تھا بند کیا،اس حالت میں حضرت ہی امداد و خدمت گزاری تمام اہل و عیال قبلہ عالمؒ کی فرماتے رہے،اور آخر نواب صاحب موصوف سے صفائی کرا دی [۱۳]۔

نافع السالکین میں قبلہ عالم کو جاگیر دینے کا ذکر ملتا ہے۔اس کی تفصیل دو حوالوں سے ذیل میں دی جاتی ہے۔ ایک حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ خیر محمد خان پرجانی نے جاگیر دی تھی۔

نیز فرمایا کہ خان محمد خان پرجانی نے حضرت قبلہ عالم مہارویؒ کو درویشوں کے اخراجات کے واسطے جاگیر دی تھی، بعد میں اس جاگیر کو بہاول خان کلاں مرحوم (م:۱۸۰۹ء) نے ضبط کر لیا،لیکن حضرت قبلہ عالمؒ قدس سرہٗ نے اپنی زندگی میں اس کی بالکل کوئی پروا نہیں کی۔حضرت حافظ صاحب محمد جمال ملتانی اور حضرت قاضی صاحب محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہما نے اس فقیر کو جاگیر مذکور کی واگزاری کے واسطے خان موصوف کے پاس بھیجا۔ جب ہم نے خان موصوف سے ملاقات کی تو خان موصوف نے کہا کہ ہم بھی حضرت قبلہ عالمؒ سے ارادت رکھتے ہیں،ہم نے اس کے جواب میں کہا کہ ہم کو تمہاری ارادت کی کوئی علامت اور نشانی نظر نہیں آتی اور یہ مثال بتلائی کہ جس جگہ آگ جلائی جاتی ہے وہاں سے دھواں اٹھتا ہے۔اگر تم کو حضرت قبلہ عالم قدس سرہٗ سے ارادت ہوتی تو اس کی علامات بھی ظاہر ہوتیں،اس کے بعد خان موصوف نے جاگیر کو واگزار کر دیا [۱۴]۔

حافظ محمد جمال ملتانیؒ:

حافظ صاحب نے ملتان میں اپنا ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا۔اس میں وہ بھی پڑھاتے تھے،اس مدرسے کے ساتھ ایک لنگر خانہ بھی تھا جس سے طلبہ کو کھانا فراہم کیا جاتا تھا۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اس مدرسے کے بارے میں لکھا ہے:

حافظ صاحب نے ملتان میں اپنا مدرسہ بھی قائم کیا تھا۔یہ مدرسہ علم و فضل کا اعلیٰ مرکز تھا۔خواجہ گل محمد احمد پوری نے دو

سال تک اس مدرسے میں پڑھا تھا اور حافظ صاحب کے سامنے زانوے قلم بند طے کیا تھا[۱۵]۔

اس مدرسہ کے متعلق تذکرۂ جمال کے شروع میں اللہ بخش رضا نے لکھا ہے: حضرت حافظ صاحبؒ نے ملتان میں اپنا ایک مدرسہ بھی قائم کیا۔ یہ مرکزی مدرسہ چاہ شاہی کے قریب شاہی مسجد میں قائم تھا جو آپ کے دربار کے سامنے ہے۔ رشد و ہدایت اور اصلاح و تبلیغ اور تربیت کے لیے ملتان کی مختلف مساجد میں آپ درس دیتے تھے[۱۶]۔

مولوی خدا بخش ملتانی (خلیفہ اول حافظ محمد جمال ملتانیؒ) ملتان میں حافظ صاحب کے مدرسہ کے منتظم و مدرس بھی تھے۔ واحد بخش سیال سرد براں (اردو) کے مقدمہ میں ان کی تعلیم کے بارے میں لکھتے ہیں: حضرت خواجہ خدا بخش کی پیدائش ۱۱۵۱ھ میں بمقام تمبہ ہوئی، آپ کے والد ماجد بہت متقی اور پرہیزگار تھے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم تمبہ میں ہی ہوئی۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے آپ دہلی تشریف لے گئے اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے دارالعلوم مدرسہ رحیمیہ میں داخل ہوئے۔ دہلی میں آپ کو بڑے بڑے علماء و مشائخ کا فیضِ صحبت حاصل رہا[۱۷]۔

انوار جمالیہ از منشی غلام حسن شہید (م: ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۵ء) میں ایک واقعہ لکھا ہے: جس میں دو طالب علموں کے جھگڑے کا ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مدرسہ کے ساتھ لنگر خانہ تھا جس میں طلبہ کے کھانے کا انتظام ہوتا تھا۔ دو طالب علموں میں ایک حافظ خدا بخشؒ کو بتائے بغیر حافظ صاحب کے پاس پہنچ گیا اور دوسرے طالب علم کی شکایت کی متعلقہ اقتباس کو انوار جمالیہ کے ترجمہ سے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

> حضرت صاحب قبلہ (حافظ محمد جمال ملتانیؒ) مع خدام، اسی وقت سنگھڑ کے سفر پر تیار ہو کر جا رہے تھے۔ حضرت صاحب قبلہ نے کاغذ منگوایا اور سراج العارفین (حافظ خدا بخشؒ) کو اپنے دست مبارک سے رقعہ تحریر فرمایا کہ ہم نے لنگر سے حافظ (دوسرے طالب علم) کا کھانا بند کیا، موقوف کیا اور اس کے اسباق معطل کیے ہیں۔
>
> درویش (طالب علم) نے یہ رقعہ مبارک سراج العارفین کو دیا اور انھوں نے پڑھا تو بید کی ٹہنی کی طرح کانپنے لگے اور حضرت مخدومی قبلہ کے عتاب سے نہایت خائف ہوئے، جیسے کہ معتقد مریدوں کے عقیدے میں شیخ کا حکم ماننا فرض ہے۔ چناں چہ اسی دن حافظ کا سبق بند کر دیا اور اس کی غلطی کو معاف کرانے کے لیے سوچ بچار میں پڑ گئے اور ایک طریقہ تجویز فرمایا یعنی قصیدہ بہشتی کے اشعار حافظ مذکور کو یاد کرائے اور حضرت قبلہ مخدومی کے خدام کے پیچھے اسے روزانہ روانہ فرمایا۔ اس نے کمر ہمت باندھی اور طلب کی وادی میں تیزی سے چل پڑا۔ جس جگہ پہنچے تو اتفاق سے حضرت قبلہ مخدومی کے خدام پہلے ہی موجود ہوتے۔ چناں چہ کئی جگہوں پر ایسا ہی معاملہ پیش آیا۔ آخر کار ظہر کے وقت ایک جگہ پہنچے جہاں حضرت مخدومی اور ان کے خدام وضو کر رہے تھے۔ حضرت کی زیارت سے مشرف ہوئے، انتہائی خوش الحانی اور دلکش انداز میں عاجزی اور انکساری سے قصیدہ مذکور کے اشعار حضرت کی خدمت میں پڑھے۔

آخر کار حضرت کے چہرہ پر رحم کے آثار ظاہر ہوئے، بلکہ انتہائی ذوق وشوق کا منظر رونما ہوا اور شفقت وکرم سے ان کی غلطیوں کو معاف فرمایا اور اس کے حال پر فیض کا دروازہ کھولا۔ خصوصی انعام اور لباس خاص عطا فرمایا، بعد ازاں شیریں الفاظ اور میٹھے محاورات سے بھرا ہوا لطف و مہربانی کا خط لکھ کر عنایت کیا۔ حضرت محبوب اللہ کو لکھا کہ اس پر پہلے سے زیادہ توجہ دیں، سبق اور کھانے وغیرہ میں بھی اضافہ کریں[۱۸]۔

حافظ محمد جمال ملتانیؒ کی علمی مرکز ملتان سے خیر پور ٹامیوالی میں منتقل ہونے کے متعلق پیشگوئیاں ملفوظات میں موجود ہیں، گلشن ابرار میں لکھا ہے:

انوار جمالیہ میں لکھا ہے کہ ایک بار جناب حافظ صاحبؒ نے اپنے غلاموں سے کہا کہ عالم رویاء میں مجھے دکھایا گیا ہے کہ قضا وقدر کے فرشتے میرے فیض کو خیر پور کی طرف لے جا رہے ہیں۔ حافظ محمد سعید کہتے ہیں کہ میں نے جناب حافظ صاحبؒ کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں ہمارے دین کا علم خیر پور شریف میں چلا گیا ہے، میں حیران ہوا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ مصنف کہتے ہیں کہ میں نے بہت سے معتبر لوگوں سے سنا ہے کہ جب جناب حافظ صاحبؒ مہار شریف کی طرف تشریف لاتے تھے تو فرماتے تھے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ خیر پور شریف میں ایک مکان بنواؤں اور وہیں ڈیرہ ڈال دوں۔ الغرض ویسا ہی ظاہر ہوا جیسا کہ جناب کے ارشادات تھے[۱۹]۔

جب کافروں (سکھوں) نے قلعہ ملتان فتح کرایا تو زمانے کے بڑے بڑے صلحاء وہاں سے نکل کر اِدھر اُدھر پھیل گئے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جناب حافظ صاحبؒ نے حضرت مولاناؒ کی صورت میں اپنی سکونت خیر پور شہر میں اختیار کی[۲۰]۔

ملتان سے ہجرت کرنے کے بعد مولوی خدا بخش صاحبؒ نے پہلے موضع دیناپور المعروف راوے والہ کچھ دیر قیام کیا، اس کے بعد چیلا وہن میں ٹھہرے۔ پھر نواب بہاولپور محمد صادق خان (عہد حکومت ۱۸۰۹ء) ان کو خیر پور میں لے آئے۔ گلشن ابرار میں ان کی خیر پور آمد کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

جب حضرت محبوب اللہ مولانا صاحب کی تشریف آوری کی خبر خان صاحب محمد صادق خان والئ ریاست بہاولپور کو پہنچی تو جناب نواب صاحب منت وزاری کے ساتھ ان کو خیر پور میں لے آئے۔ ان کے خدام کا روزینہ مقرر کیا اور لنگر شریف کا تمام خرچ اپنے ذمے لے لیا۔ حضرت مولانا صاحب مدتوں اس شہر میں رہے۔ خیر پور شریف ان کے وجود سے رشک گلزار ہوگئی۔ وہاں ایک عمدہ مسجد، ایک محفوظ کنواں اور عمدہ مہمان سرائے، فقراء کے لیے جھولے اور دیگر لوگوں کے لیے عمارتیں تعمیر کیں[۲۱]۔

مخزن چشت میں خیر پور میں ہزاروں طلبہ کو پڑھانے کا ذکر ملتا ہے۔ مولوی صاحب وہاں سے ہمت کر کے خیر پور تشریف لے گئے اور وہاں ہزاروں طلبہ کو اپنے فیض سے متمتع کرنا شروع کیا[۲۲]۔

قاضی محمد عاقلؒ:

قاضی صاحب کے دادا مخدوم نور محمد تھے۔ شاہجہاں غازی بادشاہ (عہد حکومت ۱۶۲۷۔۱۶۵۸ء) کے وزیر دوم امیر ارادت خان مخدوم صاحب کے مرید ہوئے۔ انھوں نے بادشاہ سے مخدوم صاحب کا حسب ونسب اور اوصاف حمیدہ بیان کیے۔ چنانچہ شاہی فرمان جاری ہوا جس کی رُو سے مخدوم صاحب کو پانچ ہزار بیگھہ اراضی دی گئی[۲۳]۔

یہ ایک بڑی جاگیر تھی جو قاضی محمد عاقلؒ کے دادا مخدوم نور محمد کو عطا ہوئی تھی۔ یہ اس خاندان کے تصرف میں رہی۔ اس کے لیے اورنگزیب عالمگیر (عہد حکومت ۱۶۵۸۔۱۷۰۷ء) کے عہد میں ایک شاہی فرمان جاری ہوا جس کے مطابق یہ جاگیر اس خاندان کے تصرف میں رہی۔ یہ شاہی فرمان مناقب فریدیؒ کے صفحہ ۷۴ پر دیا گیا ہے[۲۴]۔ پھر اسی کتاب کے صفحہ ۷۴ اور ۸۴ پر تیمور شاہ بادشاہ کابل خلف احمد شاہ ابدالی کے فرمان کی نقل درج کی گئی ہے۔ صفحہ ۷۴ پر اس کا عنوان اس طرح دیا گیا ہے: ''نقل فرمان تیمور شاہ بادشاہ کابل خلف احمد شاہ ابدالی''۔ ان دو فرامین میں اس جاگیر کو بحال رکھا گیا ہے[۲۵]۔

قاضی محمد عاقلؒ کے خاندان کی اس جاگیر کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ اہم عامل (Factor) ہمارے سامنے آتا ہے جو قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہارویؒ کے لنگر چلانے میں بھی قابل قدر کردار ادا کرتا رہا ہے اور صاحبزادگان مہاروی کی خدمت بھی اسی جاگیر سے قاضی صاحب کرتے رہے اس کا ذکر بھی مناقب فریدی میں کیا گیا ہے۔

بعد انتقال قبلہ عالمؒ کے تاحیات صاحب زادگان کی خدمت گزاری کرتے رہے۔ ہر فصل پر اس قدر غلّہ کہ جو چھ ماہ کے خرچ کے لیے کافی ہو کشتیوں پر بار کرا کرا کثر خود دے جایا کرتے تھے[۲۶]۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی قاضی صاحبؒ کے لنگر خانہ کے بارے میں لکھتے ہیں یہ روایت تکملہ سیر الاولیاء کے حوالے سے ہے۔

خواجہ محمد عاقلؒ کو ابتدا ہی سے درس وتدریس کا بڑا شوق تھا۔ انھوں نے کوٹ مٹھن میں نہایت اعلیٰ پیمانے پر ایک مدرسہ قائم کیا۔ بڑے بڑے عالم اس مدرسے میں درس وتدریس کے لیے مقرر کیے وہ خود سو سے زیادہ طلبہ کو درس دیتے تھے۔ مدرسہ کے ساتھ ہی ایک لنگر خانہ تھا، جب آپ کوٹ مٹھن سے شیرانی تشریف لے گئے تو وہاں بھی مدارس قائم کیے اور طلبہ واساتذہ کے لیے لنگر کی سہولتیں بہم پہنچائیں[۲۷]۔

خواجہ گل محمد احمد پوری نے قاضی محمد عاقلؒ کے لنگر خانہ کے متعلق لکھا ہے:

حضرت کا لنگر ابتدائے سلوک سے جاری تھا، بلکہ اس سے پہلے فقراء وطلبہ کے وظائف مقرر کر رکھے تھے۔ اس کے باوجود بعض اوقات پیروں کی سنت کے مطابق تنگی پیش آتی تھی اور آپ بھوکے پیاسے اور فاقہ سے رہتے تھے۔ راقم الحروف کو ایسے وقت آپ کی خدمت میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے جب غیب سے کوئی چیز آتی تو روٹی پکتی تھی۔ طلبہ اور درویشوں کی تعداد پانچ سو سے زائد تھی جب تک ان سب کے لیے کھانے کا بندوبست نہ ہوتا، اس وقت تک آپ بھی روٹی

کو ہاتھ نہ لگاتے۔ جب فقر و فاقہ کی مدت ختم ہوتی تو ہر قسم کی فتوح آنا شروع ہو جاتیں۔ امراء و وزراء اور سلاطین آپ کی بارگاہ پر سجدہ ریز ہوتے اور آنے والوں اور ان کے کھانے کے لیے کھانا پکنے کی تعداد و مقدار کا اندازہ لگانا مشکل ہوتا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دربار شاہی ہے۔ رب العالمین کی شان کا عجب مظاہرہ ہوتا تھا[۲۸]۔

ذکر الاصفیاء معروف تکملہ سیر الاولیاء میں قیام مدارس اور لنگر خانہ کا ذکر ملتا ہے۔ متعلقہ اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

> سلطان الاولیاء (قاضی محمد عاقلؒ) کو علم دراست اور علم وراثت میں کمال حاصل تھا۔ اپنے زمانے میں مشرق سے مغرب تک علم ظاہری میں کوئی ان کے برابر نہ تھا۔ اصول و فروع میں اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے۔ جزوی مسائل میں آپ کی یادداشت کا یہ حال تھا کہ بغیر کتاب دیکھے ان کی وضاحت کر دیتے تھے۔ درس و تدریس سے آپ کو بڑی دلچسپی تھی۔ تدریس کے لیے آپ نے متبحر عالم مقرر کر رکھے تھے۔ جو طلبہ تعلیم پاتے تھے ان کا وظیفہ مقرر تھا، اور انھیں کھانا لنگر سے دیا جاتا تھا۔ جب آپ کوٹ مٹھن سے شیدانی منتقل ہوئے تو دونوں جگہ علیحدہ علیحدہ مدرسے قائم کیے اور لنگر بھی دونوں جگہ جاری رکھا۔ طلبہ کو ایک دو سبق خود بھی پڑھاتے تھے[۲۹]۔

یہاں پر اس حقیقت کا اظہار مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قاضی محمد عاقلؒ نے اپنے بیٹے قاضی احمد علیؒ (وصال: ۱۹ شعبان ۱۲۳۱ھ) کو کوٹ مٹھن میں مدرسے کا انتظام و انصرام سپرد کر دیا تھا، قاضی احمد علیؒ مدرسے میں پڑھاتے بھی تھے۔ قاضی احمد علیؒ کے بارے میں خواجہ گل محمد احمد پوری لکھتے ہیں: ''آپ جملہ علوم کے ماہر اور سراپا حلم و اخلاص تھے۔ ہر خاص و عام کے ساتھ خلق محمدی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ لباس سادہ پہنتے تھے اور علم جعفر میں مہارت حاصل تھی''[۳۰]۔

قاضی احمد علی کے فرزند خواجہ محمد بخشؒ (وصال: ۱۲۶۹ھ/ ۱۸۵۳ء) تھے جو اپنے دادا قاضی محمد عاقلؒ سے بیعت ہوئے اور ان سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ آپ تیس سال کی عمر میں اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد زینت آرائے مسند فخریہ ہوئے۔ آپ کے لنگر کا بہت شہرہ ہوا۔ مناقب فریدی میں اس کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ یہی وہی روایت ہے جو قاضی محمد عاقلؒ سے چلی اور ان کے پوتے تک پہنچی۔ مناقب فریدی سے اس کا اقتباس درج ذیل ہے:

> جس قدر مساکین و طالب خدا و دنیا زیادہ آتے بہت خوش ہوتے، سب کو لنگر سے مکلف کھانا پلاؤ و زردہ، نان و قورمہ اور دودھ اور مصری ملتا تھا۔ ان لوگوں کے واسطے طبیب ملازم تھا، دوا خانہ تیار رہتا تھا، جو کوئی بیمار ہوتا فوراً اس کا تدارک کیا جاتا اور بنفس نفیس خود تشریف لا کر اس مسافر کی عیادت فرماتے، خدام اور ملازمان کو اس کے لیے تاکید فرماتے کہ اس کی خدمت گزاری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ ہو۔ رئیس اور زمیندار اس قدر زیارت کے لیے آتے تھے کہ بارہ بارہ من دانہ روزمرہ گھوڑوں کے مصرف میں آ جاتا تھا، سیکڑوں کو روزانہ یا ماہوار (ماہانہ) و سالانہ مقرر تھا اور روزانہ باورچی خانہ کا صرف بے مقدار تھا اور جو طالب زر آتے ہزاروں کے جاتے[۳۱]۔

خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ:

انتخاب مناقب سلیمانیہ میں لکھا ہے کہ قبلہ عالمؒ نے خواجہ تونسوی کو متعدد وصیتیں کی تھیں۔ ان میں سے بارہ کا ذکر صاحب انتخاب مناقب سلیمانیہ نے کیا[۳۲]۔ ان میں سے دو کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

۱۔ اپنی والدہ شریفہ کو خود پر ہر لحاظ سے راضی و خوش رکھنا۔

۲۔ پہاڑی علاقہ سے نیچے اتر کر میدانی علاقہ میں آ کر اقامت اختیار کرنا تا کہ دور و نزدیک کے لوگ نہایت آسانی اور سہولت کے ساتھ آپ سے فیضیاب ہوسکیں[۳۳]۔

جناب فخر الاولیاء قدس سرہٗ (خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ) نے اپنے پیر و مرشد کی ان وصیتوں کو حرز جان بنایا اور پوری زندگی میں ان پر سختی اور پابندی سے عمل پیرا رہے صاحب مناقب شریفہ لکھتے ہیں کہ حضرت فخر الاولیاء قدس سرہٗ آٹھ سال تک پہاڑی علاقہ میں حصولِ خلافت کے بعد رہائش پذیر رہے اور یہ صرف والدہ شریفہ کو راضی رکھنے کی وجہ سے تھا، کیوں کہ یہ بھی شیخ و مرشد کی وصیت میں شامل تھا[۳۴]۔

اس تحریر کے حوالے سے خواجہ تونسویؒ آٹھ سال تک کوہ درگ (گڑگوجی) میں رہائش پذیر رہے اور وہاں طریقِ سلوک کی راہنمائی کرتے رہے۔ وہاں آپ نے لنگر بھی جاری کیا، آپ کی والدہ ماجدہ ان کے لنگر کی فراخی کے لیے دعا گو رہیں اور ایک سوال پر انھوں نے بتایا کہ ان کی ترقی دارین اور لنگر کو وغیرہ کے متعلق ان کی ولادت سے پہلے ہی بشارت ملی تھی[۳۵]۔

مؤلف انتخاب مناقب سلیمانیہ نے کوہ درگ (گڑگوجی) کی رہائش کے دوران ایک واقعہ لکھا ہے۔ اس کے راوی میاں یار محمد سوکڑی ہیں۔ اس کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

> مؤلف کہتا ہے کہ میاں یار محمد سوکڑی جو حضرت فخر الاولیاء قدس سرہٗ کے پرانے مخلص اور ہم صحبتوں میں سے ہیں کہ جب فخر الاولیاء نے حضرت قبلہ عالمؒ کے وصال کے بعد چند سال کوہ درگ میں جو کہ فخر الاولیاء کی جائے ولادت اور آبائے کرام کی جائے سکونت ہے اور وہاں ان کی ملکیتی زمینیں ہیں، تو اول یوم میں آپ وہیں رہتے تھے۔ بندہ یعنی یار محمد مذکور جو کہ فخر الاولیاء کے قدیمی دامن گیروں میں سے تھا، قدم بوسی اور شرفِ زیارت کے لیے وہاں حاضر ہوا اور چند دن وہاں قیام کیا۔ اسی وجہ سے میں وہاں کے حالات سے واقف ہو چکا تھا۔ نیز گھر کے بعض کاموں کے لیے بندہ کو حکم فرمایا کرتے تھے۔ لنگر شریف (ڈیوڑھی) کے کام ان دنوں آپ کی والدہ ماجدہ اپنے ہاتھ سے فرمایا کرتی تھیں۔ بندہ لنگر شریف سے بعض فقراء، غرباء اور مہمانوں کے لیے کھانا لایا کرتا تھا، گھر کے کاموں میں نسوار لانا اور دیگر امور بھی سرانجام دیتا تھا۔ ایک دن جب میں ڈیوڑھی شریف پر گیا، اتفاق سے مائی صاحبہ نے کوئی چیز پڑھی اور دعا طلب کی۔ بندہ کو جب انھوں نے دیکھا تو فرمایا کہ ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ اس فرزند ارجمند کا لنگر زیادہ سے زیادہ ہوتا جائے گا۔ بندہ نے

عرض کی کہ اے مائی صاحبہ! کیا آپ آج اس کے لیے دعا فرما رہی ہیں؟ مائی صاحبہ نے جواب دیا کہ ہمیں تو ان کی ترقی دارین اور لنگر وغیرہ کے متعلق ان کی ولادت سے پہلے ہی بشارت ملی تھی۔ بندہ نے عرض کی، وہ کیسے؟ فرمایا کہ اس مدت کے دوران جب کہ یہ آفتاب جہاں تاب ابھی برج حمل میں شرف انداز تھے تو اس ضمن میں وہ امور کی بشارت ظہور پذیر ہوئی، ایک حالتِ بیداری میں اور دوسری حالت خواب میں ۳۶۔

یار محمد بن تاج محمد نے انتخاب مناقب سلیمانیہ میں لنگر کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے۔ اس میں درج بیان میں مولانا فخر الدین دہلویؒ، خواجہ نور محمد مہارویؒ اور خواجہ سلیمان تونسویؒ کے لنگر کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت فخر الاولیاءؒ نے ہر زمانے کا فرق بیان کیا اور اپنے لنگر کے انتظام کو اس طرح بیان کیا: اور اب ہمارے وقت کا حال یہ ہے کہ اس زمانہ میں دونوں وقت کی روٹی دیتے ہیں، کپڑے اور جوتے ہر ایک کو کیا طالب علم اور کیا عابد شب بیدار اور کیا دوسرے لوگ، سب کو ان کی صلاحیت کے مطابق ہم انھیں دے دیتے ہیں اور اگر کسی کو تھوڑی بہت تکلیف، بیماری وغیرہ ہوتی ہے اور رہا کوئی مرض وغیرہ ظاہر ہو جاتا ہے تو حکیم کو کہہ کر علاج معالجہ کراتے ہیں اور دکان دار کو رقم ادا کر کے دوا لیتے ہیں۔ باوجود ان سب کچھ کے ہم سے جاتے وقت اجازت بھی نہیں لیتے، اور غائبانہ چلے جاتے ہیں یہ سب زمانے کے اثرات ہیں ۳۷۔

ڈاکٹر محمد حسین للّٰہی نے بھی فخر الاولیاء کے بارے میں لکھا ہے اور اپنی تحریر میں مناقب سلیمانی کا حوالہ بھی دیا ہے۔ ان کا اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

> زائرین، طالبین، علماء اور طلبہ کے لیے آپ نے ایک وسیع لنگر خانہ قائم کیا جس میں ضرورت کی ہر چیز موجود رہتی تھی۔ لنگر خانہ کے انتظام کے لیے ایک پورا محکمہ تھا اور اس کو چلانے والے لوگ ماہانہ تنخواہ پاتے تھے اور انتظام بھی عمدہ تھا کہ کسی کو کوئی تکلیف یا احتیاج باقی نہ رہتی تھی۔ حتیٰ کہ علاج معالجہ کے لیے طبیب مقرر تھا، مؤلف مناقب سلیمانی لکھتے ہیں: ''چنداں خرچ و اصراف لنگر شریف است کہ از حد حصہ بیرون چہ بہ ہر دو دو۔ وقت و در بعض کام بڑی دو دو ہزار مردم پخت طعام می شود''۔ ترجمہ: یعنی لنگر شریف کا اتنا خرچہ ہے کہ حد شمار سے باہر ہے۔ دونوں وقت بعض اوقات دو دو ہزار آدمیوں کے لیے کھانا پکتا ہے ۳۸۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے خواجہ تونسویؒ کے لنگر خانے کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ اس بحث میں انھوں نے خاتم سلیمانی کے حوالے دیے ہیں۔ اس سے دہلی اور پنجاب کے لنگر کی روایت کا تقابلی جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ لنگر کے ادارہ کو جو ترقی ہوئی اس کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے اور اس ادارے کی وسعت اور ترقی کی بے نظیر مثال سامنے آتی ہے۔ پروفیسر نظامی لکھتے ہیں:

> شاہ محمد سلیمان تونسویؒ کا لنگر بہت وسیع اور باقاعدہ تھا، کھانے کے علاوہ درویشوں اور طلبہ کو ہر قسم کی

سہولتیں فراہم کی گئی تھیں۔لنگر کے اہتمام کے لیے پورا ایک محکمہ تھا۔ پیارا نامی بنیا مودی مقرر کیا گیا تھا۔میاں علی محمد ہوتانی لانگری تھے۔مستونی حساب برخوردار خاں چاکی تھے۔نور خان گرمانی وکیل اور صلاح کار کا کام انجام دیتے تھے۔منشی گری کا عہدہ صدیق محمد کاسبی کو ملا تھا، یہ پورا محکمہ لنگر کا انتظام کرتا تھا[۳۹]۔

پروفیسر نظامی لنگر کی وسعت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> لنگر میں کھانے کے علاوہ ضرورت کی ہر چیز موجود رہتی تھی۔حجام، لوہار، موچی، دھوبی، آب کش وغیرہ ماہانہ تنخواہ پاتے تھے اور وہاں موجود رہتے تھے اور بقول مصنف خاتم سلیمانیؒ درویشوں کو کسی قسم کی کوئی تکلیف اور احتیاج باقی نہ رہی تھی[۴۰]۔ بیمار ہوتے تو دوائیں لنگر سے مفت ملتی تھیں۔مودی کو حکم تھا کہ جو شخص نسخہ لائے بغیر پوچھے اس کو دوا دے دی جائے۔ایک مرتبہ خدا بخش نے عرض کیا: ''غریب نواز! اس مہینہ میں مودی نے پانچ سو روپیہ درویشوں کی دواؤں کے سلسلے میں درج کیا ہے''۔آپ کو یہ سن کر سخت غصہ آیا، فرمایا: اگر پانچ ہزار بھی دوا پر خرچ ہو تو مجھے اطلاع نہ کی جائے، کیا درویشوں کی جان کے مقابلہ میں روپیہ کی کچھ حقیقت ہے[۴۱]۔

لنگر کا یہ قاعدہ تھا کہ ہر درویش کو تین پاؤ پختہ روٹی ملا کرتی تھی۔ چھ مہینے کے بعد کپڑے اور جوتیاں ملتی تھیں۔علاوہ ازیں ایک سیر تیل اور کچھ گھی ملا کرتا تھا۔ان مدرسین کے لیے جو رات دن درس وتدریس میں مشغول رہتے تھے۔ان کے علاوہ بھی کچھ مراعات حاصل ہوتی تھیں، ان کا کام چوں کہ دماغی محنت کا تھا اس لیے ان کو ایک سیر پختہ روزینہ سیر بھر گھی ماہانہ اور ایک سیر تیل ملا کرتا تھا۔لباس ان کو بھی چھ مہینے ہی میں ملتا تھا ایک سفید لنگی اور گوسفند بھی عطا ہوتا تھا[۴۲]۔

خواجہ صاحب کے لنگر کی حیثیت بہت ہمہ گیر تھی۔ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اس لنگر میں زیادہ تر علماء و مدرسین شامل تھے۔خواجہ صاحبؒ نے ان کو تمام ضروریات زندگی سے بے فکر کر کے ذہنی مرکزیت کے ساتھ درس وتدریس کے کام کے لائق بنا دیا تھا۔علماء کی ایک کثیر تعداد اس طرح دینی کام کے لیے تیار ہو جاتی تھی[۴۳]۔

ویسے تو اس زمانے میں ہندوستان کی کئی خانقاہوں میں بڑے بڑے لنگر قائم تھے اور سیکڑوں آدمیوں کا مجمع رہتا تھا، مثلاً دہلی میں شاہ غلام علی صاحبؒ کی خانقاہ میں بھی لنگر کا بڑا اہتمام تھا۔خواجہ محمد عاقلؒ کی خانقاہ میں بھی لنگر کا بڑا اہتمام تھا، لیکن جو باقاعدگی اور جو مقصد شاہ محمد سلیمان صاحبؒ کے لنگری نظام میں ملتا ہے وہ کسی اور جگہ نہیں تھا۔شاہ محمد سلیمانؒ کا یہ کل نظام ایک مقصد کے ماتحت تھا، وہ اس طرح کی سہولتیں بہم پہنچا کر علماء کو درس وتدریس اور مشائخ کو تبلیغ واصلاح کے لیے تیار کرتے تھے۔شائقین علم وفضل جگہ جگہ سے تونسہ کے گرد جمع ہو جاتے تھے اور شاہ صاحبؒ ان کی صلاحیتوں کو کارآمد بنانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے تھے[۴۴]۔

حاجی نجم الدین سلیمانی نے لنگر کی تفاصیل کو مناقب المحبوبین میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔انھوں نے خاتم

سلیمانی میں جو تفصیل دی گئی ہے، اس پر اضافے کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے۔ حاجی صاحب کے بیان میں مزید معلومات دے کر لنگر خانے کی وسعت کا ذکر کیا ہے۔ ذیل میں وہ اقتباسات دیے جاتے ہیں جن میں ہمیں اضافہ نظر آتا ہے:

> لانگری کے عہدے پر پہلے محمود صاحب کو مقرر فرمایا۔ اس کے بعد مقبول صاحب کو لانگری مقرر کیا اور اس کے بعد خدا بخش صاحب لانگری مقرر ہوئے۔ منقول ہے کہ ایک دن خدا بخش لانگری نے حضرت صاحبؒ کی خدمت میں عرض کیا اس ماہ سات سو روپے فقراء کی ادویہ پر خرچ ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے خیرہ چشم حیا نہیں ہے کہ درویشوں کی جان کے نقصان پر اپنے منہ کو پراگندہ کرتا ہے اور کھولتا ہے، اٹھو اور دور ہو جاؤ۔ اگر ایک ماہ میں سات ہزار روپے بھی خرچ ہو جائیں تو مجھے اطلاع نہ دی جائے، نیز حجام کو حکم تھا کہ فقراء کی حجامت کو پندرہ دن سے زائد نہ ہوں اور خود حضرت صاحبؒ بھی جمعرات کو پندرہویں دن حجامت بنواتے تھے۔ منقول ہے کہ جبعلی محمد ہوتانی مذکور فوت ہوئے تو قرض داروں نے اس کے بیٹے کے ساتھ تقاضا کیا۔ اس نے حضرت صاحبؒ سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جو علی محمد کا قرض مانگتا ہے لنگر کے مودی کے پاس جائے اور لکھوا دے کُل ایک سو اسّی (۱۸۰) روپے بنے۔ مودی کو بلایا اور فرمایا کہ اس کا قرض ادا کر دیں۔

خواجہ امام بخش مہارویؒ نے مخزن چشت میں غوث زماںؒ کے لنگر کا ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں: آپ کا لنگر اس قدر عام تھا کہ روزانہ تین چار سو علماء و صلحاء آپ کی خدمت میں آتے اور اس لنگر سے کھانا کھاتے۔ عام لوگوں کی تعداد جو اس لنگر سے روزانہ مستفیض ہوتی وہ اس پر مستزاد تھی۔ لنگر کے اس کھانے کے علاوہ جب بچے، محتاج اور غرباء واپس جاتے وقت آپ سے درخواست طلب کرتے تو آپ انھیں نقدی کی شکل میں بھی کچھ عطا فرماتے۔ آپ کا حلقۂ مریدان خراسان تک پھیلا ہوا تھا[۴۶]۔

تصوف کے جدید عالمانہ لٹریچر میں ''یادداشت اور یادآوری'' (Memory and Remender) کا تصور معروف ہے۔ اس کے مطابق خلفاء اپنے مشائخ کو یاد رکھتے ہیں اور ان کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے ملفوظات میں ''یادداشت اور یادآوری'' کے تصور کے مظاہر ہمیں کثرت کے ساتھ ملتے ہیں۔ خواجہ مہارویؒ اپنے شیخ کو کثرت کے ساتھ یاد کرتے تھے۔ نافع السالکین سے ذیل میں دو واقعات درج کیے جاتے ہیں جن کا تعلق قبلہ عالمؒ کو یادآوری اور لنگر کے ساتھ بھی ہے۔

> حضرت قبلہ قدس سرہٗ (خواجہ تونسویؒ) کا دستور تھا کہ اگر کسی کو کوئی مشکل پیش آتی تو اسے فرماتے کہ قبلہ عالم قدس سرہٗ کے ایصال ثواب کے واسطے ایک گائے ذبح کر کے خیرات کرو اور اگر گائے موجود نہ ہوتی تو اسے فرماتے کہ گائے کی قیمت پانچ چھ روپیہ ادا کرو تاکہ کہیں سے خرید کر حضرت قبلہ عالمؒ کی خانقاہ شریف میں ذبح کی جاوے (اور خانقاہ کے فقراء و مساکین میں گوشت بطور خیرات تقسیم کیا جاوے) اس طرح جس کو کوئی مشکل پیش آتی (بحکم خدا اور بوسیلہ مشائخ عظام)

پوری ہوتی۔ چناں چہ ایک روز حضرت قبلہ قدس سرہٗ کی خدمت میں ملوث علی محمد صاحب سوکڑی کی لڑکی آئی اور بڑی عاجزی اور زاری کے عرض کیا کہ میرے والد قریب المرگ ہیں اور زندگی کی تھوڑی سی رمق ان میں باقی ہے۔ دعا فرماویں کہ حق تعالیٰ انھیں صحت اور حیاتی بخشیں، آپ نے دعا فرمائی اور فرمایا کہ ایک گائے حضرت قبلہ عالمؒ کے ایصال ثواب کے لیے خیرات کی جاوے۔ حق تعالیٰ مولوی علی محمد صاحب سوکڑی کو شفا نصیب فرمائیں گے۔ جب مولوی صاحب مذکور کو حق تعالیٰ کے حکم سے شفا نصیب ہوئی تو بہ سبب اس کے کہ حضرت قبلہ کو علماء کے ساتھ بڑی محبت تھی آپ نے خیرات کے واسطے اپنے پاس سے گائے دی اور مولوی صاحب مذکور نے اقرار کیا کہ اس روز میرے بدن میں صرف ناف سے لے کر پاؤں تک جان باقی تھی[47]۔

عرس کے انعقاد اور لنگر کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ خواجہ تونسویؒ نے قبلہ عالمؒ کا پہلا عرس اپنے آبائی وطن کوہ درگ میں کیا تھا۔ نافع السالکین میں اس کا حال اس طرح بیان کیا ہے:

ایک رات (خواجہ تونسویؒ) نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے حضرت قبلہ عالمؒ کا پہلا عرس اپنے وطن کوہ درگ میں کیا تھا۔ سولہ دنبے پانچ پانچ روپیہ میں خرید کر ذبح کیے گئے اور جب پکائے گئے تو ایک ایک دنبہ سو سو پہاڑی اندمیوں کو دیا گیا، کیوں کہ ہندوستانی سو آدمی ایک دنبہ نہیں کھا سکتے تھے۔ اس لیے کہ بہت فربہ تھے، اس قدر فربہ تھے کہ چل نہیں سکتے تھے، چارپائیوں پر لاد کر ان کو لایا گیا۔ اس کے بعد کے تمام اعراس تقریباً پچاس سال یا اس سے بھی زائد مدت میں ہم نے خانقاہ شریف میں کیے۔ نیز فرمایا کہ صحرائے بورہ کے علاقہ میں گوسفندوں کی بہت قیمت ہوتی ہے چناں چہ ایک دنبہ بارہ بارہ روپیہ میں فروخت ہوتا ہے[48]۔

حوالہ جات:

۱۔ ریاض الاسلام، ۲۰۰۳ء، *Sufisees In South Asia, Impact on Fourteenth Century Muslim Society*، آکسفورڈ یونی ورسٹی پریس، کراچی، ص ۳۳۸

۲۔ شاہ، سید محمد زاہد، اسرار الکمالیہ، فارسی مخطوطہ چشتیاں شریف، ص ۵؛ مشمولہ: 'تذکرہ جمال'، ترجمہ و ترتیب: اللہ رکھا رضا، ۲۰۰۶ء، مکتبۃ الجمال، ملتان، ص ۲۵۔۲۴

۳۔ امام الدین، ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۳ء، نافع السالکین، ملفوظات شاہ سلیمان تونسوی، مطبع تونسوی، دہلی، ص ۱۸۔۱۷؛ 'تذکرہ حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ'، ۱۹۶۱ء، اردو ترجمہ: 'نافع السالکین، خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے ارشادات و ملفوظات کا گراں قدر مجموعہ'، از صاحبزادہ محمد حسین للّٰہی، شعاع ادب، لاہور، ص ۵۹۔۵۸

۴۔ سلیمانی، نجم الدین، ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۴ء، مناقب المحبوبین، مطبع محمدی، لاہور؛ اردو ترجمہ: افتخار احمد چشتی، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۷ء، 'مناقب المحبوبین تذکرہ حضرت خواجہ نور محمد مہاروی و حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ'، چشتیہ اکیڈمی، فیصل آباد، ص ۱۹۸۔

۵۔ ایضاً،ص ۹۴؛افتخار احمد چشتی،ص۔۲۰۲

۶۔ ایضاً،ص ۹۶۔۹۵؛افتخار احمد چشتی،ص ۲۰۴

۷۔ امام الدین،ص ۱۰؛محمد حسین للّٰہی،ص ۴۵۔۴۴۔

۸۔ محمد، یار محمد بن تاج، ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء،انتخاب مناقب سلیمانیہ،حمیدیہ سٹیم پریس، لاہور،ص ۴۴؛اردو ترجمہ:اللہ بخش رضا ملتان، س ن ’منتخب المناقب‘، ملک محمد رفیق کھر ص ۱۱۰

۹۔ ایضاً،ص ۴۶؛اللہ بخش رضا،ص ۱۱۳۔۱۱۲؛اس پورے واقعہ کا سیاق و سباق منتخب المناقب (اردو ترجمہ) کے صفحات، ۱۱۰ تا ۱۱۳ پر موجود ہے۔تفصیل ان صفحات پر دیکھی جاسکتی ہے۔

۱۰۔ شاہ،ص ۶؛اللہ رکھا رضا،مشمولہ:تذکرہ جمال،ص ۳۰۔۲۸؛ان صفحات پر اس پورے واقعہ کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔

۱۱۔ ایضاً،ص ۱۴۔۱۳،اللہ رکھا رضا،ص ۶۲۔۶۰

۱۲۔ مہاروی،امام بخش،مخزن چشت،مخطوطہ چشتیاں شریف،مخزونہ کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ،مملوکہ پیر محمد اجمل چشتی فاروقی،ص ۱۲۴؛اردو ترجمہ: پروفیسر افتخار احمد چشتی،۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء’مخزن چشت‘،:چشتیہ اکیڈمی،فیصل آباد،ص۔۴۲۴۔

۱۳۔ اختر،مرزا احمد(خلف اکبر محمد دارا بخت میران شاہ) ۱۳۱۴ھ،مناقب فریدی،مطبع احمدی،دہلی،ص ۶۵۔۶۴

۱۴۔ امام الدین،ص۔۲۷؛محمد حسین للّٰہی،ص ۱۷۵۔۱۷۴؛اسی کتاب کے دوسرے مقام جاگیر کی واگزاری کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔یہ قبلہ عالمؒ کے انتقال کے بعد کا واقعہ ہے۔حافظ محمد جمال ملتانی،اور قاضی محمد عاقلؒ نے خواجہ محمد سلیمانی تونسوی سے کہا کہ آپ خان موصوف کے پاس جائیں اور صاحبزادگان کے لیے جاگیر کی واگزاری کی بات کریں۔جب غوث زمانؒ کی خان موصوف سے پہلی ملاقات تو اس کی عجیب حالت دیکھی۔اس کی تفصیل مولوی غوث بخش سے خواجہ تونسویؒ کو بتائی۔جب دوسری ملاقات ہوئی تو خان موصوف قاضی محمد عاقلؒ کے لنگر کی تنگی کا ذکر کرنے لگا اور کہا کہ دعا کریں کہ ان کے لنگر کی تنگی دور ہوجائے۔اس پر خواجہ تونسویؒ نے یہ شعر پڑھا:

جہاں پُرسماع است مستی و شور
ولیکن چہ بینز در آئینہ کوء

یہ شعر سن کر خان موصوف اٹھ کر چلا گیا اور مولوی غوث بخش سے کہا کہ مجھے اس درویش کی جلالی طبیعت سے بہت ڈر لگتا ہے۔جو کچھ ان کا مقصد و مدعا ہے پوری کردو تاکہ خیریت سے یہاں سے چلے جائیں۔چنانچہ خواجہ تونسوی اپنا مقصد پورے کر کے خانقاہ مبارک پر واپس پہنچ گئے،تفصیل کے لیے دیکھیے:امام الدین(فارسی)،ص ۶۸۔۶۷،محمد حسین للّٰہی(اردو ترجمہ)،ص ۱۶۹۔۱۶۷

۱۵۔ نظامی،خلیق احمد،پروفیسر،۱۹۸۴ء،تاریخ مشائخ چشت دہلی،جلد پنجم،ادارہ ادبیات دلی،ص ۳۲۰

۱۶۔ رضا،اللہ بخش ۲۰۰۶،عرض مترجم و اظہار احوال،مشمولہ:’تذکرۂ جمال‘،ملتان ص ۶

۱۷۔ واحد بخش سیال چشتی،۱۴۰۰ھ،مقدمہ:سرداراں،ترجمہ:واحد بخش سیال،صوفی فاؤنڈیشن،بہاول پور،ص ۲۳

۱۸۔ ملتانی،منشی غلام حسن شہید،انوار جمالیہ،مخطوطہ چشتیاں شریف مخزونہ کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ مملوکہ پیر محمد اجمل چشتی فاروقی،اردو ترجمہ:اللہ بخش رضا،۲۰۰۶ء،’انوار جمالیہ‘،مشمولہ:’تذکرۂ جمال‘،ملتان،ص ۶۴۔۶۳

۱۹۔ مہاروی،امام بخش،گلشن ابرار،مخطوطہ چشتیاں شریف مخزونہ کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ مملوکہ پیر محمد اجمل چشتی فاروقی،ص ۱۵۴۔۱۴۴؛ترجمہ:صالح محمد صالح ادیب تونسوی،۱۹۵۰ء،’حدیقۃ الانبیاء‘،مطبع صدیقیہ،ملتان،ص ۲۹۲

۲۰۔ ایضاً،ص ۱۵۴،صالح محمد صالح ادیب تونسوی،ص ۲۹۳۔۲۹۲

۲۱۔ ایضاً،ص ۱۷۴،ایضاً،ص ۲۹۴۔۲۹۵

۲۲۔ مہاروی،مخزن چشت،مخطوطہ،ص۔۷۴۴؛افتخار احمد چشتی،ص ۴۴۵۔۴۴۴

۲۳۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے مناقب فریدی،ص ۴۶۔۴۵

۲۴۔ ایضاً،ص ۴۷

۲۵۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:مناقب فریدی،ص ۴۸۔۴۷

۲۶۔ ایضاً،ص ۶۴

۲۷۔ نظامی،ص ۳۰۰؛تکملہ سیر الاولیاء (فارسی)،ص ۱۴۰

۲۸۔ احمد پوری،گل محمد،۱۳۱۲ھ،ذکر الآصفیاء معروف تکملہ سیر الاولیاء (فارسی)،مطبع رضوی،دہلی،ص ۱۴۹؛ترجمہ:مسعود حسن شہاب ۱۹۸۷ء،'ذکر الآصفیاء معروف تکملہ سیر الاولیاء'،اردو اکیڈمی،بہاول پور،ص ۱۶۹؛نظامی،ص ۳۰۵

۲۹۔ ایضاً،ص ۱۴۰۔۱۳۹؛مسعود حسن شہاب،ص ۱۶۲

۳۰۔ ایضاً،ص ۱۵۳؛ایضاً،ص ۱۷۴

۳۱۔ اختر،ص ۵۷

۳۲۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:انتخاب مناقب سلیمانیہ،ص ۷۴۔۷۳؛'منتخب المناقب'،ص ۱۷۲۔۱۷۰

۳۳۔ ایضاً،ص ۷۴؛اللہ بخش رضا،ص۔۱۷۱

۳۴۔ ایضاً،ص ۷۴؛ایضاً،ص ۱۷۱۔۱۷۲

۳۵۔ ایضاً،ص ۴؛ایضاً،ص ۲۶۔۲۵

۳۶۔ ایضاً،ص ۴۔۳؛ایضاً،ص ۲۶۔۲۵

۳۷۔ ایضاً،ص ۱۵۹؛ایضاً،ص ۳۸۸۔۳۸۷

۳۸۔ للّٰہی محمد حسینی،ڈاکٹر،۱۹۷۹ء،حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی ؒ اور ان کے خلفاء،اسلامک بک فاؤنڈیشن،لاہور،ص ۱۳۹

۳۹۔ نظامی،ص ۳۴۴؛اللہ بخش خان،۱۳۲۵ھ،خاتم سلیمانی،مطبع خادم التعلیم پریس،لاہور،ص ۶۶

۴۰۔ نظامی،ص ۳۴۵؛اللہ بخش خان،ص ۶۶

۴۱۔ ایضاً،ص ۳۴۵،ایضاً،ص ۶۶

۴۲۔ ایضاً،ص ۳۴۵،ایضاً،ص۔۶۶

۴۳۔ ایضاً،ص ۳۴۵

۴۴۔ ایضاً،ص ۳۴۶

۴۵۔ لنگر کی تفصیل کے لیے دیکھیے،حاجی نجم الدین سلیمانی،مناقب المحبوبین،ص ۱۸۷۔۱۸۶؛'مناقب المحبوبین'،مکمل اردو ترجمہ،ص ۳۵۲۔۳۵۴

۴۶۔ مہاروی، ص۶ ۴۰؛ افتخار احمد چشتی، ص ۴۰۹

۴۷۔ امام الدین، ص ۸۵؛ محمد حسین للّٰہی، ص ۲۰۱

۴۸۔ ایضاً، ص ۱۴۰؛ ایضاً، ص ۳۲۹

فہرستِ اسنادِ محولہ:

احمد پوری، گل محمد، ۱۳۱۲ھ، ذکر الآصفیاء معروف تکملہ سیر الاولیاء (فارسی)، مطبع رضوی، دہلی، ص؛ ترجمہ: مسعود حسن شہاب ۱۹۸۷ء، 'ذکر الآصفیاء معروف تکملہ سیر الاولیاء'، اردو اکیڈمی، بہاول پور

اختر، مرزا احمد (خلف اکبر محمد دارا بخت میران شاہ) ۱۳۱۴ھ، مناقب فریدی، مطبع احمدی، دہلی۔

امام الدین، ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۳ء، نافع السالکین، ملفوظات شاہ سلیمان تونسوی، مطبع تونسوی، دہلی، ص ۱۸۔۱۷؛ 'تذکرہ حضرت خواجہ رضا، اللہ بخش ۲۰۰۶، عرض مترجم و اظہار احوال، ملتان۔

ریاض الاسلام، ۲۰۰۳ء، *Sufisees In South Asia, Impact on Fourteenth Century Muslim Society*، آکسفورڈ یونی ورسٹی پریس، کراچی۔

سلیمان تونسویؒ، ۱۹۶۱ء، اردو ترجمہ: 'نافع السالکین، خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے ارشادات و ملفوظات کا گراں قدر مجموعہ'، از صاحبزادہ محمد حسین للّٰہی، شعاع ادب، لاہور۔

سلیمانی، نجم الدین، ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۴ء، مناقب المحبوبین، مطبع محمدی، لاہور؛ اردو ترجمہ: افتخار احمد چشتی، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۷ء، 'مناقب المحبوبین تذکرہ حضرت خواجہ نور محمد مہاروی و حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ'، چشتیہ اکیڈمی، فیصل آباد۔

شاہ، سید محمد زاہد، اسرار الکمالیہ، فارسی مخطوطہ چشتیاں شریف، ص ۵؛ مشمولہ: 'تذکرہ جمال'، ترجمہ و ترتیب: اللہ رکھا رضا، ۲۰۰۶ء، مکتبۃ الجمال، ملتان۔

للّٰہی محمد حسینی، ڈاکٹر، ۱۹۷۹ء، حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی ﷺ اور ان کے خلفاء، اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور۔

محمد، یار محمد بن تاج، ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء، انتخاب مناقب سلیمانیہ، حمیدیہ سٹیم پریس، لاہور؛ اردو ترجمہ: اللہ بخش رضا ملتان، س ن 'منتخب المناقب'، ملک محمد رفیق کھر۔

ملتانی، منشی غلام حسن شہید، انوار جمالیہ، مخطوطہ چشتیاں شریف مخزونہ کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ مملوکہ پیر محمد اجمل چشتی فاروقی، اردو ترجمہ: اللہ بخش رضا، ۲۰۰۶ء، 'انوار جمالیہ' مشمولہ: 'تذکرہ جمال'، ملتان۔

مہاروی، امام بخش، گلشن ابرار، مخطوطہ چشتیاں شریف مخزونہ کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ مملوکہ پیر محمد اجمل چشتی فاروقی

مہاروی، امام بخش، مخزن چشت، مخطوطہ چشتیاں شریف، مخزونہ کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ مملوکہ پیر محمد اجمل چشتی فاروقی: اردو ترجمہ: پروفیسر افتخار احمد چشتی، ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء 'مخزن چشت'؛ چشتیہ اکیڈمی، فیصل آباد، ص۔ ۴۲۴۔

نظامی، خلیق احمد، پروفیسر، ۱۹۸۴ء، تاریخ مشائخ چشت دہلی، جلد پنجم، ادارہ ادبیات دلی۔

واحد بخش سیال چشتی، ۱۴۰۰ھ، مقدمہ: سرداراں، ترجمہ: واحد بخش سیال، صوفی فاؤنڈیشن، بہاول پور۔

Abstract

Dr. Sajida Sultan Alvi is Professor Emeritus of Indo-Islamic History at the Institute of Islamic Studies , Macgill University ,Montreal ,Canada .She has many research oriented publications and articles at her credit. She started the research project: " Development of Chisti Sufi order in the punjab during 18th and 19th century (from 1760-1850) in 2004.She asked me to assist her in this project in September 2004.I assisted her for nine years and four months (September 2004 to December 2013).This project covers Khwajah Nur Muhammad Maharwi (d 1205/1790) and his four major 'khulafa'.Kh Nur Muhammad Narowala(d 1203/1789).Hafiz Muhammad Jamal Multani (d 1126/1811),Qazi Muhammad Aqil (d 1229/1814),and Khwaja Muhammad Sulayman Taunsawi (d 1266/1850).Khwaja Muhammad Maharwi was prominent disciple (khalifa) of Khwajah Fakhr ud din Dehlawi (d 1199/1785).This article discusses the free kitchen 'langar' that is favourite institution in the different orders of Sufism in South Asia. I have discussed this 'langar' institution in the article covering Kh Maharwi and his four major khulafa.In fact this will be chapter of our book in urdu on the project mentioned above .The notes of this article were prepared under the guidance of Dr Sajida S Alvi during the period of assistance .Now I have written this article under the light of these notes.

Keywords: Sufism, langar, punjab, South Asia, Chisti sufi.